امام کعبہ کا دورۂ پاکستان

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

۲۹ مئی ۲۰۰۷ء کی جھلملاتی، جگمگاتی، مسکراتی عنبریں شام اس اعتبار سے خوش نصیب تھی کہ سرزمینِ پاک میں حجازِ مقدس سے ایک مہمان آیا تھا۔ مہمانِ گرامی کی تقدیس، عظمت، زہدوتقویٰ، بین الاقوامی شہرت، علمی بصیرت و بصارت اور فکر وفلسفہ کے ادراک کے لئے شاعر مشرق علامہ اقبال کا ایک تاریخی حوالہ ہی کافی ہے۔ انہوں نے مؤذنِ کعبہ (حضرت بلالؓ) کا سکندر یونانی سے تقابل کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

آج ایشیا میں اسے کوئی جانتا نہیں — تاریخ داں بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن حضرت بلالؓ کو، جن کی نظر نورِ نبوت سے ستنیر تھی، دوام حاصل ہوگیا۔ اہل پاکستان کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہوسکتی تھی کہ انہیں شرفِ میزبانی بخشنے کے لئے خود امام کعبہ تشریف لائے تھے۔

کعبہ..... جو اَن گنت نگاہوں کا محورومرکز ہے، جو کروڑوں قلوب کو منور کرتا ہے، اذہان کو جلا بخشتا ہے، سفلی جذبات سے نجات دلاتا ہے، آدمی کو ذات کے حصار سے باہر نکالتا ہے۔ امت مسلمہ کو یکجا، یک زبان اور یک لباس کرتا ہے۔ کعبہ جو محض ایک گھر نہیں ہے، مسلمانوں کا تشخص ہے، ان کی امیدوں، امنگوں، آرزوؤں اور ارادوں کا چمن زار ہے، دنیا کی کسی عمارت کو اس سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ یہ گھر ایک کمرے پر مشتمل ہے۔ مالک کون ومکان وحدہ لاشریک ہے، لیکن مہمان کروڑوں ہیں۔ درِ رحمت کھلا ہے، بخششوں کی سبیل جاری ہے۔ میزبان کے پاس ایک طویل فہرست ہے، ہر مہمان کو خود بلاتا ہے،، خود انتخاب کرتا ہے، اس کی خواہشات کا خیال رکھتا ہے، اس کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

جو رب کعبہ، مہمانوں کو اپنے گھر میں خود بلاتا ہے، اس کے گھر کے افراد بھی اس کے امر سے ہی باہر جاتے ہیں۔ ہم اسے مشیت ایزدی سمجھتے ہیں کہ امام کعبہ شیخ عبدالرحمٰن السدیس پاکستان تشریف لائے۔ خانۂ خدا سے نسبت بذاتِ خود بہت بڑا اعزاز ہے، لیکن جو چیز جناب شیخ کو اپنے ہم عصروں سے منفرد اور ممتاز کرتی ہے، وہ ان کا شریعت کا علم ہے، ان کا حلم ہے، استغنا ہے، عالمِ اسلام سے گہری محبت ویگانگت ہے۔ تجسس وتحقیق کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر حکمت کے موتی نکالنا ہرکس وناکس کے بس کا روگ نہیں۔ فقہ، علم حدیث، اجتہاد، اور بین الاقوامی امور پر ان کی گہری نظر ہے۔

جن لوگوں نے رمضان المبارک یا حج کے موقع پر ''امام کعبہ'' کی قرأت سنی ہے، وہ اسے تازیست نہیں بھلا

سکتے۔کلام اللہ کو جب اس کے برگزیدہ لوگ پڑھتے ہیں تو ایک وجد کا سماں طاری ہوجاتا ہے۔شبستانِ وجود لرز اٹھتا ہے اور آدمی ایک ایسی روحانی کیفیت سے گزرتا ہے جسے بیان کرتے ہوئے لفظ غریب ہوجاتے ہیں اور وارداتِ قلب کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ ہر لفظ کانوں میں عجب رس گھولتا ہے۔ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے فضا میں نقرئی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔اشجار، کعبہ کے در و دیوار میں تلاوت فرمار ہے ہوں۔اس سحر انگیز ماحول میں کچھ دیر کے لئے آدمی زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے۔یکسوئی، انہماک اور خود فراموشی کے ان لمحات میں انسان اپنے رب کو کعبۂ دل کے نہایت قریب پاتا ہے۔

امام صاحب ایک دینی درسگاہ کی دعوت پر تشریف لائے تھے،لیکن جہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع ہوجائیں، وہاں حکومت کی مدد اور معاونت کے بغیر تقریبات کا انعقاد ممکن نہیں ہوتا۔جامعہ اشرفیہ میں نمازِ فجر کے وقت اور شاہی مسجد میں نمازِ مغرب پڑھانے جب شیخ حرم پہنچے تو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے لاہور کی ہر سڑک شاہی مسجد کو جاتی ہے اور اہلِ لاہور اپنے گھروں میں نہیں رہتے، بلکہ ان سڑکوں پر ان کا رَین بسیرا ہے۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس قدر مختصر نوٹس پر اتنی بڑی تعداد میں، اتنے جوش اور جذبے سے لوگ کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوئے۔غضب کی گرمی، تلملاتا ہوا سورج، گرم لُو کے تھپیڑے، ٹریفک کی رکاوٹیں، ٹرانسپورٹ کی قلت، کچھ بھی تو ان کے فرطِ جذبات اور عقیدت سے مزاحم نہ ہوسکا۔ہوتا بھی کیسے،اسلام کے قلعے اینٹ، چونے اور گارے کی آمیزش سے تعمیر نہیں ہوئے،ان کے لئے خونِ جگر اور جذبۂ بے اختیارِ شوق کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا ہے　　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

چودھری شجاعت حسین نے امام کعبہ کے اعزاز میں اپنے گھر ضیافت کا اہتمام کیا۔کھانے کا تو ایک بہانہ تھا، اصل مقصد امام صاحب کے ارشاداتِ عالیہ سے مستفیض ہونا تھا،حکمت کے موتی چننا تھا اور ان کی دعاؤں سے فیض یاب ہونا تھا۔چودھری صاحب نے مختصر الفاظ میں شیخ عبدالرحمٰن السدیس کا شکریہ ادا کیا،جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوصف مسلمانانِ پاکستان کے لئے کچھ وقت نکالا۔اس موقع پر میں نے بھی عربی زبان میں چند گزارشات پیش کیں۔امام صاحب کی آمد پر خوش آمدید کہتے ہوئے ان کے دورۂ پاکستان کو تاریخی قرار دیا۔امام کعبہ کی تقریر بڑی خیال انگیز اور خیال افروز تھی۔مترجم نے ترجمے کا حق بھی بڑے احسن طریقے سے ادا کیا،سامعین ہمہ تن گوش تھے۔

نہ تخت و تاج نہ، لشکر و سپاہ میں ہے　　　جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

حکمرانوں کے متعلق کوئی جائز بات بھی لکھتے وقت خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں کاسہ لیسی کا الزام نہ لگ جائے اور اگر تحریر میں کہیں تنقید کا کوئی پہلو نکلتا ہو،تو پھر کاسہ لیس وہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔صرف تنقید پر انگلی رکھ کر بتائیں گے کہ فلاں شخص نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے اور اہانت کا مرتکب ہوا ہے۔اگر بہترین جہاد حاکم وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے تو پھر سچ بات کو بیان نہ کرنا بھی بڑا غیر جہادی فعل ہے۔قرآن بورڈ کا قیام چودھری پرویز الٰہی کے دورِ اقتدار کا وہ کارنامہ ہے جس کا ہر حرف ایک ورق ہے اور ہر ورق ایک زریں باب۔میری تجویز پر جس طرح انہوں نے

دامے، درمے، سخنے اس کارِ خیر کوایک فرض سمجھ کر نبھایا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ جب لوگوں کے تساہل، تغافل، لاپرواہی یا کسی اور وجہ سے قرآن پاک کے اوراق پریشان ہوتے ہیں اور بوسیدہ کاغذوں کو بے رحم ہواؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، تو اس سے بے ادبی کے علاوہ بسا اوقات شک کی بناء پر، فرقہ واریت کے عفریت سر اٹھاتے ہیں اور بے حرمتی کا الزام فریقین ایک دوسرے کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ پرانے نسخوں کو جمع کرکے اور انہیں Recycle کرکے بورڈ نئے قرآن چھاپتا ہے اور انہیں مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک اکیڈمی کا قیام بھی زیرِ غور ہے جہاں طلباء کو قرآن و حدیث پڑھانے کے علاوہ ان کے کردار کی تشکیل کے لئے عملی اقدامات اٹھائے جائیں گے۔

امام کعبہ کے کلمات جہاں امت مسلمہ کے قلب و نظر کو گرما گئے وہاں ''اتحادِ ملت'' کے سلسلے میں بھی مثبت پیش رفت کی توقع پیدا ہوئی۔ سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، صحیح سمت کی جانب پہلا قدم اٹھنا ضروری ہے۔ اختلاف و انتشار ایک ایسی آکاس بیل ہے جو جب کسی ہرے بھرے درخت کو اپنے زرد شکنجوں میں جکڑ لیتی ہے تو وہ ٹُنڈ مُنڈ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا سریع الاثر زہر ہے جو معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کر جائے تو پنپ نہیں سکتا۔ امام کعبہ کو ملنے ہر مکتبۂ فکر کے علماء آئے۔ انہوں نے سب کو بھائی چارے، صبر و تحمل اور مذہبی رواداری کی تلقین کی۔ سب نے ان سے اتفاق کیا۔

امام حرم کے مختصر قیام کے دوران ایک بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ مملکتِ خداداد میں اسلام کے علاوہ اور کوئی نظام یا ازم نہیں چل سکتا۔ یہ ملک مادر پدر آزاد کلچر، بے راہ روی یا بے لگام آزادی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا تو پھر اسلامی شعار کی پابندی بھی لازم ہے۔ کس قدر قربانیاں دے کر ہم نے پاکستان بنایا تھا، ایک قلزم خون تھا جسے عبور کرنا پڑا۔ آزادی کی راہ میں ان گنت لوگ سر بریدہ ہوئے، کتنے جواں جسم خاک اور خون میں غلطاں ہوئے۔ کتنے بوڑھے والدین کی کمریں کمان بنیں، کتنی پتھرائی ہوئی بے نور آنکھوں نے اپنے سہاگ لٹتے دیکھے، تب جا کر آزادی نصیب ہوئی۔

یہ ملک ہم نے اس لئے حاصل نہیں کیا تھا کہ ہم اقوام عالم کے جم غفیر میں ایک اور قوم کا اضافہ کرنا چاہتے تھے یا دنیا کے ہفت رنگ نقشے میں ایک اور رنگ بھرنا چاہتے تھے، یہ ملک ہم نے اس لئے حاصل کیا تھا کہ وہ مسلمان جو ایک خدا، ایک رسول اور ایک کتاب کو مانتے ہیں، اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ آج جب شہداء کی روحیں اس ملک کا طواف کرتی ہوں گی تو اگر وہ خوش ہوتی ہوں گی تو ہمیں خوش ہونا چاہیے، لیکن اگر وہ کسی وجہ سے مضطرب اور مضمحل ہیں تو پھر ہمیں سوچنا چاہیے کہ ساٹھ سال کے اس سفر میں کہیں ہم سے کوئی بھول تو نہیں ہوگئی؟ زندہ قومیں خود احتسابی کی منزل سے گزرتی ہیں۔ اپنے اندر جھانک کر سود و زیاں کا حساب کرتی ہیں۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے نوازا ہے، اس قوم میں بڑا دم خم ہے، اس کی مٹی بڑی زرخیز ہے، صرف نم کی ضرورت ہے اور نم اسم محمد سے آتا ہے، یہی وہ سمت ہے، یہی وہ اسم ہے جو ہمیں بام عروج تک پہنچا سکتا ہے۔ اسلام کے قلعے کی در و دیوار مضبوط کرسکتا ہے۔

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو، عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

☆......☆......☆